مرادآباد سے حیدرآباد تک

بدرالحسن قاسمی (کویت)

مغل حکمراں شاہ جہاں کے چھوٹے بیٹے ''مرادبخش'' کے نام پر یوپی کا شہر ''مرادآباد'' ہے جو برتن سازی اور پیتل کے ساز وسامان تیار کرنے کی صنعت میں عالمی شہرت رکھتا ہے۔

اور یہاں کے بنے ہوئے برتن اور گھریلو زیب وزینت کے سامان اور خوشنما فرنیچر دنیا کے مختلف ملکوں میں ایکسپورٹ ہوکر جایا کرتے ہیں۔

شہر میں ہندو مسلم، شیعہ سنی اور دیوبندی، بریلوی سبھی رہتے ہیں اور عام طور پر باہمی اختلاف ونزاع سے دور رہ کر اپنے کاروبار کو فروغ دینے اور یہاں کی معروف صنعت کو ترقی دینے میں مصروف رہتے ہیں۔

شہر میں ''مولوی سازی'' کے بھی کئی مراکز یا مدارس ہیں جن میں مدرسہ ''شاہی'' زیادہ شہرت رکھتا ہے اور مولانا محمد قاسم نانوتوی نے ہی اس کی بنیاد رکھی تھی، مفتی شبیر احمد صاحب اسی میں مدرس اور مفتی ہیں، فقہی موضوعات پر لکھنے کا اچھا ذوق رکھتے ہیں، اس کے علاوہ ''امدادیہ'' اور ''حیات العلوم'' جیسے ادارے بھی ہیں۔

مولانا محمد سالم القاسمی کا اصل کام تو برتن کی تجارت ہے؛ لیکن انہوں نے جامعہ قاسمیہ دارالعلوم زکریا کے نام سے ایک مدرسہ بھی قائم کیا ہے اور گزشتہ دس سالوں میں اسے کافی ترقی دی ہے۔

''برتن سازی'' اور ''مولوی گری'' دونوں کو ساتھ لے کر چلنا ان کے حوصلہ کی علامت ہے۔

ہے مشق سخن جاری، چکی کی مشقت بھی
اک طرفہ تماشا ہے حسرت کی طبیعت بھی

نشر و اشاعت کا شعبہ بھی کافی سرگرم ہے، ''سراج القاری'' کے نام سے ''صحیح البخاری'' کی ایک نئی شرح کی ۱۳ر جلدیں شائع ہو چکی ہیں؛ جو درحقیقت مولانا عبدالرحیم متالاؒ کی لکھی ہوئی شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے درس بخاری کا مجموعہ ہے، اسے پوری تحقیق کے ساتھ از سر نو مرتب خود مولانا اپنی نگرانی میں کررہے ہیں۔

مرادآباد کا میرا یہ سفر جناب مولانا محمد سالم القاسمی شیخ الحدیث و بانی جامعہ قاسمیہ دار العلوم زکریا کے نامۂ اعمال میں ہے، انہوں نے بلایا اور میں چلا گیا اور دو ہفتے سے زائد وہاں رہ گیا جو ان کی محبت کا کرشمہ اور میزبانی کا اثر ہے کہ اس ''خرقِ عادت'' کا مجھ سے ظہور ہو گیا۔

اور اپنے جامعہ میں ''**التخصص في الفقه والافتاء**'' اور ''**التخصص في اللغة العربية**'' کے دو شعبے بھی قائم کیے، صحافیوں کی بڑی تعداد جمع ہو گئی تھی اور باقاعدہ اس پروگرام کا بھرپور اعلان کیا گیا اور رسمی طور پر ان کا آغاز بھی ہوا۔

عربی زبان ساری زندگی عربی کتابیں پڑھنے اور پڑھانے والوں کی دسترس سے آج بھی باہر ہے، مقصد اس صورتِ حال کا تدارک ہے اور عربی میں مہارت تمام دینی علوم میں مہارت اور کمال کے حصول کا زینہ ہے۔

''فتویٰ'' نویسی کا موضوع اور بھی نازک ہے، ایک طرف نئے مسائل کی کثرت ہے، بقول حضرت عمر بن عبدالعزیز: ''**كلما زاد الفجور كثرت المسائل**''۔

اقتصادی مسائل کا دائرہ بے حد وسیع ہو گیا ہے اور دنیا میں رائج تجارتی نظام، اسٹاک اکسچینج کا طریق تعامل حصولِ زر کے لیے فرضی عقود کی شکلیں التجارۃ علی الھامش اور مستقبلیات کے معاملات حل طلب ہیں۔

تو دوسری طرف میڈیکل سائنس کی دنیا میں ترقی، نئے آلات کی ایجاد اور جینٹک سائنس کی دنیا میں ہونے والے انقلابات نے بے شمار پیچیدہ مسائل پیدا کر دیئے ہیں، اس لیے ارباب افتاء کی ذمہ داری اور بڑھ گئی ہے، ان مسائل کو حل کرنے کے لیے نہ ایک سال کی مشق کافی ہے اور نہ نو آموز افتاء کی شہادت رکھنے والے علماء ان کے بارے میں رائے زنی کر سکتے ہیں۔

غیر محتاط مفتیوں کی شریعت نے سزا بھی رکھی ہے اور درپیش ضروری مسائل میں فقہ سے مناسبت اور فتویٰ میں مہارت حاصل کرنے کی کوشش درکار ہے اور فتویٰ کی صنعت ترقی چاہتی ہے اور مشق کے ذریعہ ماہر مفتیوں کی تیاری۔

ابلیس کی بیوی کا نام اور سلیمان علیہ السلام کی چیونٹی کے نر یا مادہ ہونے کی تحقیق اور اعمال کے وزن کے لیے جو ترازو قیامت میں استعمال ہوگا اس کے پلڑے چاندی کے ہوں گے یا سونے کے؟

اس طرح کے لغو و لایعنی مسائل پر دادِ تحقیق دینے کے بجائے ضروری مسائل کا حل تلاش کیا جائے۔

نیا شعبہ قائم کرنے کا مقصد یہی ہے اور یہ بھی کہ ہمہ دانی کے دعویٰ اور ہر سوال کا جواب دینے کی کوشش اور مفتی اعظم و فقیہ عصر ہونے کے دعویٰ کے بجائے اپنی لاعلمی کا اعتراف اور ''لاادری'' کہنے کا فن بھی مفتیوں کو سکھایا جائے۔

نشر و اشاعت کی سرگرمیوں کے ضمن میں ان کے اپنے درسی افادات پر مبنی ''الدرس

الحاوي لحل الطحاوي'' کی پہلی جلد بھی شائع ہوگئی ہے۔

مدرسہ کی تعمیر وترقی نظم ونسق کی بہتری اور تعلیم وتربیت کا معیار قائم رکھنے کے لیے اپنے صاحبزادگان: مولانا محمد ہاشم اور مولانا ابوذر کے ساتھ لگے ہوئے ہیں اور مدرسہ کی تعلیم کو ذریعۂ معاش بنانے کے بجائے اپنے برتن کے کاروبار پر انحصار رکھا ہے جو لائق تحسین ہے۔

اس سفر میں میرا ''قبلۂ مقصود'' یہی مدرسہ تھا تاکہ ''صحیح بخاری'' کے درس کا آغاز کر سکوں، سال گذشتہ ''زوم'' پر میں نے تعلیم میں جزوی مشارکت رکھی تھی، مدرسہ کے ماحول میں دو ہفتے سے زائد میں وہاں رہ گیا، اور علاج کے لیے ڈاکٹروں اور حکیموں کے یہاں کی دوڑ بھی لگی رہی؛ لیکن

مریضانِ الفت کی کیا بے کسی ہے ☆ مسیحا کو بھی چارہ فرما نہ دیکھا

عزیزم عبداللہ بدر القاسمی بھی ساتھ رہے۔

استاذ گرامی کی آرامگاہ پر حاضری

نصف صدی گزر گئی جبکہ ۲۰/صفر ۱۳۹۲ھ، مطابق: ۵/اپریل ۱۹۷۲ء کی شب میں استاذ گرامی حضرت مولانا سید فخر الدین احمد مرادآبادی نے داعی اجل کو لبیک کہا تھا۔

اس سال ہم دورۂ حدیث میں تھے اور ان سے ہی صحیح بخاری کی عبارت پڑھنے کے آداب:

''**وبالسند المتصل منا إلى الإمام الحافظ الحجة أبي عبد الله محمد بن إسماعيل البخاري**''

کا دعائیہ کلمات کے لاحقہ کے ساتھ ہر دن اعادہ کرنا سیکھ رہے تھے اور غفلت

برتنے پر استاذ گرامی کی طرف سے خفگی کے ساتھ ڈانٹ بھی یقینی تھی۔

نماز جنازہ اور تدفین میں شرکت کے لیے دورۂ حدیث شریف میں شریک سارے ہی طلبہ اور متعدد اساتذہ مرادآباد گئے تھے۔

لالباغ کے نام سے معروف علاقہ میں ''مدرسہ شاہی'' سے قریب ایک خصوصی قبرستان کو آپ کی آرامگاہ کے لیے منتخب کیا گیا، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور وہیں تدفین عمل میں آئی۔

اب پچاس سال گزرنے کے بعد مرادآباد کا گزشتہ ماہ سفر ہوا اور حضرت الاستاذ کی قبر پر حاضری ہوئی تو ایک طرف نہایت ہی لاغر ونحیف، کبرسنی کے آثار اور امراض واعراض سے نڈھال وجود کا سراپا ساتھ ہی جلال و جمال سے آراستہ، دمکتا ہوا پر نور چہرہ تصور نے سامنے کر دیا، حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اشتغال کا کرشمہ اور دعائے نبوی کے اثر سے ہونے والی تر وتازگی ''**نضر اللّٰہ عبداً سمع مقالتي فوعاها فاداها كما سمعها، فرب مبلغ أوعى من سامع**''۔ جسے دیکھ کر عقل دنگ رہ جائے کہ نوے سال سے زائد عمر میں ایک نحیف وجود کس طرح روزانہ چار گھنٹے اور پانچ گھنٹے کوثر وتسنیم سے دھلی زبان میں حدیث کے دقائق واسرار پر گفتگو کر رہا ہے اور امام بخاری کی فنی باریکیوں پر روشنی ڈال رہا ہے کہ ع

بلبل چہک رہا ہے، ریاضِ رسول میں

کا دلکش منظر ہے۔

شیخ عبدالفتاح ابوغدہ کی شہادت ہے کہ:

سمعت من هذا الشيخ شرح شطر من الحديث في ثلاثة أيام.

دوسری طرف قبرستان کی خاموش فضا میں ہر چیز بولتی محسوس ہوتی ہے، قبر پر اگے

پودے ہوا کی ہلکی سی حرکت سے بھی اہتزاز میں آجاتے ہیں، نہیں معلوم کہ اپنی خوش نصیبی پر نازاں ہوتے ہیں یا نزول رحمت کی کہانی سنانے لگتے ہیں۔

تسبیح تو ہر چیز ہی پڑھ رہی ہے؛ لیکن ہمارے پاس نہ وہ عقل ہے جو اسے سمجھ سکے اور نہ وہ نگاہیں ہیں جو رحمتِ حق کے جلووں کو دیکھ سکیں۔

البتہ جبل علم اور محدث اعظم جیسے گنج گراں مایہ کو زیر زمین مدفون دیکھ کر دل دہلنے لگتا ہے، زبان گنگ ہو جاتی ہے اور آنکھیں ہی کچھ کہنا چاہتی ہیں ع:

زمژگاں آستین پر وار و گوہر را تماشا کن

کہا تو یہی جاتا ہے:

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

سبزۂ نو رستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

لیکن ہم تو اس شاعرانہ تخیل سے ہٹ کر وہ سننا چاہتے ہیں جو نامور محدث، خطیب بغدادی نے خواب میں بعض صالحین سے حالات پوچھنے پر کہا تھا کہ:

أنـــا فـي روح و ريـحـــان و جـنـة نـعـيـم

رحـم الله أستاذنا الجليل وأمطر عليه شآبيب رضوانه و حشرنا معه مع النبيين والصديقين والشهداء والصالحين.

☆☆☆☆☆

مفتی الٰہی بخش اکیڈمی کے گراں قدر تحائف

مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی کواللہ تعالیٰ نے تحقیق کا خصوصی ذوق عطا فرمایا ہے، خاص طور پر اکابر کاندھلہ، مظاہر علوم سہارن پور و دار العلوم دیو بند کے احوال و آثار کے بارے میں وہ سند کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کے ذاتی کتب خانہ میں مطبوعہ اور مخطوطہ کتابوں کا بڑا ہی قیمتی ذخیرہ ہے۔

''احوال و آثار'' کے نام سے جو مجلّہ وہ شائع کر رہے تھے وہ بھی اپنے تحقیقی معیار میں ملک کے دیگر مجلّات ورسائل کے مقابلے میں کہیں زیادہ معیاری تھا۔

انہوں نے مفتی الٰہی بخش اکیڈمی کی طرف سے جو کتابیں شائع کی ہیں وہ سبھی نہایت ہی قیمتی، اہم اور معیاری ہیں۔

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ان کے مکتبہ کے لیے وسیع جگہ ہوتی، جدید وسائل فراہم ہوتے اور مولانا کی نگرانی میں علماء و باحثین کی ایک اچھی ٹیم تیار ہوتی جن کو تحقیق کا صحیح ذوق ہوتا اور وہ اچھے مصنف و مؤلف بنتے۔

گزشتہ مہینے جب میں مرادآباد میں تھا تو ان سے ملنے کی خواہش ہوئی اور ان کی طرف سے ترغیب بھی رہی؛ چنانچہ چند گھنٹوں کے لیے ہم کاندھلہ گئے، ان کے علمی ذخیرہ کو دیکھا اور احساس یہی رہا کہ ان کے علم کی وسعت اور ذوق تحقیق کی رفعت کے لحاظ سے ان کو ایک وسیع کتب خانہ کی ضرورت ہے جو موجودہ حالت میں کتابوں کا ایک مخزن نظر آتا ہے، کاش کہ اصحابِ خیر اس کی طرف توجہ دیں اور مولانا کی ذات اور ان کی معلومات سے

علماء کی نئی نسل مستفید ہو سکے۔

موجودہ حالت میں بھی مولانا کی تحقیق کا سلسلہ جاری ہے اور ایک سے ایک قیمتی علمی ذخیرہ سے علمی دنیا کو وہ مستفید کرتے رہتے ہیں۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے ایک ہزار سے زائد غیر مطبوعہ فتووں کا ذخیرہ ''باقیات فتاویٰ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ'' کے نام سے انہوں نے شائع کیا تھا اور ابھی جن قیمتی ہدیوں سے انہوں نے نوازا ان کے گراں قدر علمی ہدیوں میں ایک تو حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی ۱۲۳۹ھ کی گراں قدر کتاب ''بستان المحد ثین'' کا نیا کامل اور محققانہ ایڈیشن ہے۔

مولانا نے پچھلے تمام ایڈیشنوں کی خامیاں اور ان میں موجود غلطیوں کی نشاندہی کی ہے۔

بعض عربی مترجموں نے جو اصل کتاب میں بغیر کسی حق کے ترمیم و اضافہ کیا تھا، ان کی نشاندہی بھی کی ہے اور تصحیح کی ہے۔

آٹھ سو سے زائد صفحات پر مشتمل ''بستان المحد ثین'' کا یہ ایڈیشن اپنی نظیر آپ ہے جس میں شاہ صاحب کے افادات، محدثین اور ان کی کتابوں کے بارے میں ان کا نقطۂ نظر اور دیگر خصوصیات کو اس طرح محفوظ کر دیا ہے جس سے شاہ صاحب کی عبقریت، کتاب کی اہمیت اور شاہ صاحب کے علمی کارنامہ کا امتیاز پورے طور پر واضح ہو جاتا ہے۔

ایک دوسرا گراں قدر ہدیہ ''المسلسلات'' کا نیا تحقیقی ایڈیشن ہے، اس کی تحقیق و ترتیب میں بھی مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی صاحب نے ایک بے مثال کارنامہ انجام دیا ہے۔

''مسلسلات'' کی حقیقت، حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی ۱۱۷۶ھ کی مرتب کردہ ''المسلسلات'' یا ''الفضل المبين في المسلسل من حديث النبي الأمين''

کے اسناد کا جائزہ، شاہ صاحب کا اس کتاب سے تعلق اور اکابر علمائے دیوبند کا اس سے شغف، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی ۱۹۸۲ء اور محدث دوراں مولانا محمد یونس جونپوری ۱۹۳۸ء کی تعلیقات سب کوانھوں نے محفوظ کر دیا ہے۔

پھر "النوادر" اور "الدر الثمین" کی اسنادی حیثیت میں خلل ہونے کی وجہ سے اس کی علاحدگی یہ سب مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی کا عظیم کارنامہ ہے، اکابر علماء کی رائے کے مطابق ان کو الگ کر دیا ہے۔

مقدمہ میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے حالات، ان کے خاندان کی تاریخ اور ان کی فاروقی نسبت اور ان کی تعلیم اور ان کی اولاد کا ذکر نہایت ہی اختصار اور جامعیت کے ساتھ کیا ہے اور کتاب کے آخر میں شاہ صاحب کے چند شاگردوں اور پھر کاندھلہ کے علماء اور مشائخ کے احوال بھی اختصار کے ساتھ ذکر کر دیے ہیں۔

اس طرح یہ کتاب بھی ایک اہم دستاویزی ذخیرہ بن گئی ہے جس پر وہ مبارکباد کے مستحق ہیں۔

فوائد ولطائف

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ متوفی ۱۲۳۹ھ کی ''بستان المحد ثین'' میں ضمنی طور پر جو نکات ولطائف اور فوائد آ گئے ہیں اور ان کی نشاندہی مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی نے کی ہے، ان میں بعض یہ ہیں:

- نامور فقیہ، محدث اور مجاہد عبداللہ بن المبارک (پیدائش: ۱۱۸ھ، وفات: ۱۸۱) سے محمد بن رشید اور حفص بن داؤد دونوں نے حدیثیں روایت کی ہیں؛ جبکہ ان دونوں کی وفات میں ۱۳۲ر سال کا فرق ہے۔
- اسماعیلی کی ''مسند کبیر'' ۱۰۰ر جلدوں پر مشتمل ہے۔
- جس تختہ پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دیا گیا تھا، حسن اتفاق سے اسی تختہ پر مشہور محدث وناقد یحییٰ بن معین کو بھی غسل دیا گیا۔
- ابن شہاب زہری (وفات: ۱۲۵ھ) امام مالک (وفات: ۱۷۹ھ کے استاذ ہیں اور انہوں نے بھی امام مالک سے روایت کی ہے جو روایۃ الاکابر عن الاصاغر کے قبیل سے ہے۔
- امام مالک سے دریافت کیا گیا کہ مدینہ طیبہ میں وہ سواری کا استعمال کیوں نہیں کرتے؟ تو انہوں نے فرمایا:

''أنا أستحيي من اللّٰه أن أطأ تربة فيها رسول الله صلى الله عليه وسلم بحافر دابة''

- مصنف عبدالرزاق کی اکثر حدیثیں ثلاثی ہیں، انہوں نے اپنی کتاب کو شمائل کے ذکر پر ختم کیا ہے اور آخری حدیث جو نقل کی ہے وہ یہ ہے:

حدثنا معمر عن ثابت عن أنسؓ قال: كان شعر النبي صلى الله عليه وسلم إلى أنصاف أذنيه.

- امام دارقطنی کے لطائف میں سے ایک یہ ہے کہ وہ نفل نماز کی ادائیگی میں مصروف تھے کہ ان کی مجلس میں بیٹھے ایک شخص نے روایت پڑھی اوراس میں راوی کا نام ''نسیر'' کے بجائے ''بشیر'' پڑھا تو امام دارقطنی نے نماز میں ہی اسے غلطی پر متنبہ کرنے کے لیے سبحان اللہ کہا؛ لیکن وہ نہیں سمجھا تو انہوں نے نماز میں ہی پڑھا (**ن والقلم و ما يسطرون**) یہ بتانے کے لیے کہ یہ نام ''بشیر'' نہیں، ''ن'' سے ''نسیر'' ہے۔

ایک اور شخص نے عمرو بن شعیب کے بجائے عمرو بن سعید پڑھا، امام دارقطنی نے نماز کی حالت میں ہی اسے متنبہ کرنے کے لیے ''سبحان اللہ'' کہا، یہ سن کر وہ خاموش ہو گیا تو امام دارقطنی نے نماز ہی کی حالت میں فرمایا: ''یا شعیب أصلاتک تأمرک'' فقہ حنفی میں تو اس کی گنجائش نہیں ہے؛ لیکن وہ حنفی تھے کب؟

- امام ابوبکر بن العربی کی تفسیر ''انوار الفجر'' اَسّی ہزار ورق پر مشتمل ہے۔

- امام مالک کے شاگرد محمد بن القاسم کا معمول تھا کہ رمضان المبارک میں ۲۰۰ر بار قرآن ختم کریں اور وہ روزانہ دو ختم کیا کرتے تھے، تدریس میں مشغول ہوئے تو ایک ختم کا معمول رہ گیا۔

- خطیب بغدادی کے بارے میں منقول ہے کہ وہ سفر حج میں ترتیل و تجوید کے ساتھ روزانہ ایک قرآن ختم کرتے، یہ ان کا معمول تھا۔

علمی لطائف وفوائد کا دائرہ اور بھی بڑھ سکتا ہے ''بستان المحدثین'' سے اور بھی پھول اکٹھے کیے جاسکتے ہیں بشرطیکہ کتاب توجہ سے پڑھی جائے۔

مرادآباد سے کاندھلہ اور دہلی ہوتے ہوئے پٹنہ پہنچ گیا، ''**المعهد العالی للتدریب**

في القضاء والإفتاء'' کی نسبت حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ کے بعد سے مجھ سے وابستہ ہوگئی، جس میں میرے چند محاضرات ہوئے اور اچھی توقعات قائم ہوئیں۔

اس ادارے میں مدارس کے فضلاء دوسال کی مشق اور ٹریننگ کے بعد مفتی اور قاضی بنتے ہیں، امارت شرعیہ کی وجہ سے عملی مشق کی سہولت فراہم ہے، اساتذہ بھی اچھے اور محنتی ہیں، میرا نام بحیثیت صدر اور مولانا عبدالباسط ندوی کا بحیثیت سکریٹری کے لکھا جاتا ہے۔

مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد، امیر شریعت رابع مولانا سید منت اللہ رحمانی اور فقیہ ملت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی کی عزیمت، مخلصانہ جذبہ اور ملت کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر کے یعنی

پھونک کر اپنے آشیانے کو ☆ بخش دی روشنی زمانے کو

وابستگان میں جذبۂ عمل کو ابھارتا اور مقصد کے حصول کے لیے محنت پر ابھارتا ہے، اس سفر میں موجودہ امیر شریعت مولانا احمد ولی فیصل رحمانی صاحب کی خواہش نے مجھے خانقاہ رحمانی مونگیر کے سفر کے لیے بھی آمادہ کرلیا۔

جامعہ رحمانی میری مادرعلمی بھی ہے، دیوبند سے پہلے تین سال میں نے جامعہ و خانقاہ میں گزارے تھے اور بنیادی کتابیں وہیں پڑھی تھیں۔

امیر شریعت رابع حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی کا میری ذہنی تعمیر وتشکیل میں بڑا حصہ رہا ہے۔

وہ واقعی عظیم تھے، ان کی عظمت کا نقش دیوبند کے فتنہ کے زمانے میں اور گہرا ہوگیا۔

''أعلام بین أقزام'' میں حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ، مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی صاحبؒ اور مولانا سید منت اللہ رحمانی صاحبؒ کی شخصیتیں ہی میرے ذہن نے منتخب کی تھیں، دیگر بیشتر مشاہیر دارالعلوم کے سقوط کے ساتھ شکست وریخت اور

اخلاقی سقوط کا شکار ہوتے رہے؛ لیکن یہ لوگ

عنقارابلنداست آشیانہ

کا مصداق پوری عزیمت کے ساتھ اصول پر قائم رہے، ان کی ہمنوائی میں حکیم محمد زمان الحسینی اور مولانا ابوالسعود صاحب امیر شریعت کرناٹک کو بھی شمار کیا جاسکتا ہے۔

مولانا سید محمد ولی رحمانی اپنی بے باکی، مسائل کے ادراک اور پیچیدہ حالات میں استقامت میں اپنے داداجان اور والد بزرگوار کے نقش قدم پر چلنے کی صلاحیت رکھتے تھے؛ لیکن وہ اللہ کو پیارے ہوگئے۔

اب ان کے صاحبزادے مولانا احمد ولی فیصل رحمانی صاحب امیر شریعت ہیں، ان کی تعلیم امریکہ میں ہوئی ہے، نئی دنیا سے آگاہ ہیں، کام کرنے کا جذبہ اور نظم وانتظام کا اعلیٰ معیار قائم کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔

جامعہ ازہر کے فیض یافتہ ہیں اور دینی مدارس کی تعلیم کو معیاری اور جدید تقاضوں سے ہم آہنگ دیکھنا چاہتے ہیں، مزاج میں تواضع ہے اور دوسروں کی رائے سے استفادہ کا جذبہ بھی؛ اس لیے مستقبل میں ان سے اچھی توقعات رکھی جاسکتی ہیں، ''بیت الحکمت'' میں عربی زبان ہی استعمال کرنے کا تجربہ خوش آئند ہے۔

میں تو مختصر وقت کے لیے گیا تھا اور ''تخصص في الإفتاء'' کے شعبہ کی ابتدائی تقریب میں شرکت رہی اور مستقبل کے بارے میں اچھی توقعات قائم ہوئیں۔

سفر کی یہ مختصر روداد میں نے اپنے ذاتی تأثر کے اظہار کے لیے لکھی ہے، ملک کے سیاسی حالات، مسلمانوں کو درپیش خطرات اور مسلم تنظیموں کی عمومی بے اثری اور بدحالی پر مجھ سے بہتر لکھنے اور تجزیہ کرنے والے لوگ موجود ہیں؛ اس لیے اس پہلو پر کچھ لکھنا نہیں چاہتا۔

کیا شمع کے نہیں ہیں ہوا خواہ بزم میں

جو غم ہو جانگداز تو غمخوار کیا کریں؟

- سفر سے واپسی حیدرآباد سے ہوئی،عید قرباں کا لطف وہاں رہا، بارش کے تسلسل سے موسم خوش گوار ہو گیا تھا۔

- عزیزم عبداللہ بدر قاسمی سفر میں ساتھ رہے اور میری راحت کا ذریعہ۔

- شیخ طریقت حضرت مولانا قمر الزماں صاحب کی مشفقانہ دعوت کے باوجود الہ آباد نہ جا سکا، آئندہ اس کی تلافی ضروری ہے۔ (ان شاء اللہ)

حیدرآباد میں غریب خانہ میں داخل ہوتے ہی عزیزم احمد نے چند کتابیں سامنے رکھیں جن میں علامہ ابن الجوزی کی ''صید الخاطر'' کا خلاصہ ''علی الطنطاوی'' اور ''ناجی الطنطاوی'' کا اختصار کردہ زندگی کے تجربات ومشاہدات سے حاصل ہونے والے سبق اور عقل کشا و روح افزا حکمتوں کا خزینہ اور زندگی کی قدر و قیمت کا احساس دلانے اور علم وعمل پر ابھارنے والے واقعات واقوال کا ذخیرہ اسے سمجھئے۔

وجدانگیز وعطر بیز ادیبانہ اسلوب وحکیمانہ تعبیرات ابن الجوزی کے ساحرانہ کلام اور حکیمانہ انداز بیان کا سب سے عمدہ نمونہ یہی کتاب سمجھی جاتی ہے، کتاب کا یہ نسخہ ۱۹۷۹ء میں مدینہ منورہ میں مجھے ملا تھا اور ایک زمانہ تک ساتھ رہا۔

دوسری کتاب ہر مومن کے لیے صبح شام کا ورد اور جلوت وخلوت میں ساتھ رہنے والا تحفہ امام نووی کی ''کتاب الاذکار'' اس کے تعارف کے لیے پہلے کی لکھی ہوئی یہ سطریں پڑھ لیجئے

☆☆☆☆☆☆

الأذکار

''ذکرالٰہی'' روح کی غذا اور دلوں کی زندگی ہے، جو دل ذکرِ رب سے آشنا نہ ہو وہ بے جان ہے اور جس زندگی میں اللہ کی یاد نہ ہو وہ بے کیف اور حقیقی سعادتوں سے محروم زندگی ہے، ارشاد باری ہے: ''ومن أعرض عن ذكري فإن له معيشة ضنكا'' (جو شخص میرے ذکر سے اعراض کرے اس کے لیے تنگی اور گھٹن کی زندگی ہے)

''دل'' کو اللہ کی یاد میں سکون ملتا ہے، اس لیے امن وسکون اور راحت وچین کی زندگی وہی ہے جو یادِ الٰہی سے معمور ہو۔

مؤمن وکافر دونوں اسی روئے زمین پر سانس لیتے اور قدرت کی فراہم کردہ نعمتوں سے بہرہ ور ہوتے ہیں؛ لیکن بقول اقبال:

پرواز ہے دونوں کی اس ایک فضا میں
شاہیں کا جہاں اور ہے کرگس کا جہاں اور

مؤمن کی صبح وشام اس طرح ہوتی ہے کہ اس کی زبان پر اللہ کا نام ہوتا ہے اور اس کے دل میں خالق کائنات کی تسبیح وتحمید ہوتی ہے، اس کے روز وشب اس طرح گذرتے ہیں کہ زندگی کی تگ ودو میں وہ سبھوں کے ساتھ بھی ہوتا ہے اور سبھوں سے جدا بھی، وہ خود چراغِ راہ کی طرح جلتا ہے تاکہ دوسرے راہ پائیں، خود اپنے اندرون میں گھلتا ہے تاکہ دوسروں کو راحت پہنچے، اس کی ہر حرکت اللہ کے نام سے شروع ہوتی ہے اور ہر سکون پر قادر ذوالجلال اسے یاد آتا ہے:

أ آخر شيء أنت في كل هجعة
و أول شيء أنت عند هبوبي

یعنی آنکھ لگتی ہےتو تیرے نام پہ اورآنکھ کھلتی ہےتو تیرے نام سے۔

مؤمن زاہد شب زندہ دار ہوتا ہے، کبھی جنت کے شوق میں وہ اپنی راتیں آنکھوں میں کاٹ لیتا ہے، تو کبھی جہنم کا خوف اسے میٹھی نیندسونے سے باز رکھتا ہے، بقول شخصے:

كلما طال شوقي إلى الجنة طار نومي
و كلما زاد خوفي من النار زاد أرقي

اور جب جہنم کا خوف دل میں پیدا ہوتا ہےتب نینداڑ جایا کرتی ہے۔

غرض یہ کہ جنت کی طلب ہو یا جہنم سے بچنے کی خواہش ؎
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمہ دم اللہ کی یاد میں گذارا کرتے تھے، ''كان يذكر اللّٰه على كل أحيانه''، ذکرِرب میں شکرِنعمت بھی ہےاور ہرطرح کےشر وشیطان اور بلاء ومصیبت سے نجات بھی، آپ اپنی زندگی کواللہ کے ذکر سے کس طرح معمور رکھیں، اس کے لیے بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں، ان میں مشہور محدث اور نامور فقیہ اور صاحب دل امام یحییٰ بن شرف الدین المتوفی: ۶۷۶ھ کی ''کتاب الاذکار'' معمولات روز وشب اور دعا واذکار کے موضوع پر لکھی جانے والی دیگر کتابوں سے کئی لحاظ سے فوقیت رکھتی ہے۔

(۱) دعا واذکار کے موضوع پر وارد تمام روایتوں کا منتخب اور بہترین خلاصہ ہے اور حشو وزوائد سے بالکل پاک ہے۔

(۲) کتاب چونکہ عملی مقصد سے مرتب کی گئی ہے، اس لیے سندوں کے طویل سلسلہ کو حذف کر دیا گیا ہے، جس کی افادیت صرف اہل علم کے لیے ہوا کرتی ہے۔

(۳) اس بات کا پورا اہتمام کیا گیا ہے کہ صحیح روایتیں ہی نقل کی جائیں اور ایسی روایتوں سے اجتناب کیا جائے جو زیادہ ضعیف یا موضوع ہوں؛ چنانچہ مصنفؒ نے صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، سنن ترمذی اور سنن نسائی پر ہی زیادہ نظر رکھی ہے اور باہر کی روایتیں شاذ ونادر ہی لی ہیں، جیسا کہ خود ہی انہوں نے مقدمہ میں اس کی وضاحت کردی ہے۔

(۴) امام نوویؒ نرے محدث ہی نہیں بلند پایہ فقیہ بھی ہیں؛ اس لیے انہوں نے صرف الفاظ حدیث اکٹھا کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا؛ بلکہ حدیث کی تشریح، مشکل الفاظ کے مفہوم کی وضاحت اور فقہی احکام وتربیتی نکات ولطائف سے بھی اپنی کتاب کو آراستہ کیا ہے۔

(۵) اور کتاب کے مصنف چونکہ محض ظاہری علم رکھنے والے اور گفتار کے غازی نہیں ہیں؛ بلکہ صاحب دل اور احوال ومقامات سے سرفراز بزرگ ہیں؛ اس لیے کتاب نہایت مفید اور پرتاثیر بن گئی ہے۔

اور مذکورہ بالا ان تمام خصوصیات نے امام نوویؒ کی ''کتاب الاذکار'' کو اس موضوع پر لکھی جانے والی تمام کتابوں سے منفرد اور ممتاز بنادیا ہے۔

امام یحییٰ بن شرف نووی کی پیدائش: محرم ۶۳۱ھ میں ہوئی، اپنے زمانہ کے اساطین علم وفضل سے انہوں نے علم حاصل کیا، جن میں شیخ کمال بن احمد، رضی بن برہان، عبد العزیز محمد الانصاری اور ''الفیہ'' کے مؤلف مشہور امام نحو وصرف ابن مالک شامل ہیں۔

حصول علم سے شغف کا حال یہ تھا کہ آغاز عمر سے ہی ''**کان لاینام اللّیل إلا قليلا**'' (راتوں کو بہت کم سویا کرتے تھے)

بیشتر کتابیں زبانی یاد کرتے اور ایک دن میں ۱۲/۱۲ سبق لیا کرتے تھے، جن میں فقہ وحدیث، معانی وبیان، نحو وصرف، علم کلام ومنطق اور اصولِ فقہ واسماء الرجال سارے ہی علوم شامل تھے، ان کی اس محنت نے انہیں اپنے زمانہ کا نامور عالم اور امامِ وقت بنادیا۔

طبیعت کی لطافت یا زہدوتقویٰ کی طرف میلان کا حال یہ تھا کہ بعض ظاہری یا دنیوی علوم ان کو راس ہی نہیں آتے تھے، اس سلسلے میں نامور محدث ومؤرخ امام ذہبیؒ نے امام نوویؒ کے بارے میں عجیب وغریب واقعہ لکھا ہے؛ جس کا حاصل یہ ہے کہ:

اشتغل في كتاب القانون لابن سينا فأظلم قلبه، وبقي أياما لايقدر على الاشتغال فأشفق على نفسه وباع القانون فاستنار قلبه.

انہوں نے چند دنوں ابن سینا کی کتاب ''القانون'' سے شغل رکھا تو قلب میں ظلمت چھا گئی اور کئی روز تک کوئی کام انجام دینے پر قادر نہیں رہے، جب انہوں نے ''القانون'' کو بیچ ڈالا تو پھر دل کی روشنی بحال ہوگئی اور حسب معمول فقہ وحدیث کی خدمت میں لگ گئے۔

ظاہر بینوں کو تو شاید یہ بات سمجھ میں نہ آئے اور وہ اس طرح کے واقعات کی صداقت پر شبہ کرنے لگیں؛ لیکن حقیقت بیں نگاہوں میں یہ جان لینے کے بعد کہ امام ذہبیؒ جیسا محدث وناقد اس واقعہ کو نقل کر رہا ہے اور صاحب واقعہ نے خود ہی اس واقعہ کا اظہار کیا ہے تو اس میں اچنبھے کی بات ہی کیا ہے؟ بلکہ اس سے تو خود نبوتِ کبریٰ کی زبانِ حقیقت بیان کی فرمودہ اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ "**كل ميسر لما خلق له**" (جس شخص کی تخلیق جس کام کے لیے ہوتی ہے وہ اس کے لیے آسان کر دیا جاتا ہے)۔

امام نوویؒ سے رب کائنات کو حدیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور فقہ کی خدمت لینی تھی، وہ اگر ابن سینا کی ''القانون'' پڑھ کر لوگوں کے علاج ومعالجہ اور قارورے کی جانچ میں لگ گئے ہوتے تو پھر ''ریاض الصالحین'' جیسی بابرکت ومقبول عام کتاب، صحیح مسلم کی شرح ''المنہاج''، اور فقہ اسلامی کا انسائیکلو پیڈیا، ''المجموع شرح المہذب'' اور فقہ شافعی کی ''روضۃ الطالبین'' جیسی شاہکار کتابیں امت کو کہاں مل سکتی تھیں؟ اور امام نوویؒ کے لیے

صرف ۴۵؍سال کی زندگی میں جس میں بچپن اور تحصیل علم کا زمانہ بھی شامل ہے، فقہ و حدیث کی ایسی لازوال خدمت کی سعادت جو اللہ نے مقدر کر رکھی تھی وہ کس طرح پوری ہوتی۔

جہاں تک دل میں ظلمت محسوس ہونے کی بات ہے تو یہ ایک وجدانی کیفیت ہے جس کا ادراک ہر شخص کو نہیں ہوسکتا، نہ اسے عام کیا جاسکتا ہے اور نہ شرعی حجت بنایا جاسکتا ہے، اسی طرح کا ایک اور واقعہ ایک نامور صاحب قلب و علم و قلم علامہ مناظر احسن گیلانیؒ نے دارالعلوم دیوبند میں بیتے ہوئے دن میں خود اپنے بارے میں لکھا ہے، جو دلچسپ بھی ہے اور عبرت انگیز بھی کہ معقولات کی معرکۃ الآرا کتاب ''قاضی مبارک'' کی تدریس کا اپنے ایک ساتھی سے انہوں نے وعدہ ہی کیا تھا کہ انہیں متواتر ایسے خواب آنے لگے کہ ان پر جنگلی سوروں نے حملہ کر دیا ہے، یہاں تک کہ انہوں تدریس سے معذرت کر دی۔

اس طرح کے احوال و کیفیات عام نہیں ہیں، کچھ پاک طینت اور نیک نفوس کے ساتھ خاص ہیں، واقعاتی نہیں، وجدانی ہیں، اس کی بنیاد پر نہ کسی علم کی تنقیص کی جاسکتی ہے اور نہ اس سے بے اعتنائی برتی جاسکتی ہے، شریعت کے عام ضابطہ کی رو سے علم طب کا حصول بھی اسی طرح ضروری ہے، جیسے علم فقہ کا؛ بلکہ حجۃ الاسلام امام غزالیؒ نے جو امام نوویؒ کے پیش رو اور ہم مسلک بھی ہیں، بعض خاص حالات میں علم طب کی تحصیل کو علم فقہ کی تحصیل سے بھی زیادہ ضروری قرار دیا ہے اور اگر مسلم اطباء کی کمی ہو تو فقہاء تیار کرنے کے مقابلے میں ''اطباء'' کی تیاری کو زیادہ اہم قرار دیا ہے۔

بہر کیف امام نوویؒ اپنی نوعیت کے منفرد آدمی تھی، دنیا سے قطعی بے رغبت رہے، علم و عبادت کی یکسوئی کے لیے رشتۂ ازدواج سے بندھنا بھی گوارا نہیں کیا، تقویٰ اور ورع کا یہ عالم تھا کہ محض شبہ کی بنا پر دمشق میں فروخت ہونے والے پھل فروٹ سے بھی پرہیز کرتے تھے۔

وضع قطع اور لباس اور جسم کی زیبائش و آشائش سے بھی بے پرواہ رہتے تھے، اپنے

مکاشفات اور باطنی احوال کے چھپانے کا بھی خاص اہتمام فرماتے تھے، شیخ الحدیث رہے اور قال اللہ وقال الرسول کی صدا بلند کرتے ہوئے رجب ۶۷۶ھ میں جان جان آفریں کے سپرد کردی اوراپنے پیچھے علوم نبوت کا بے مثال ذخیرہ چھوڑ گئے۔ فرحمه الله رحمة واسعة و أسكنه فسيح جناته۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے جناب مولانا نثار احمد قاسمی کو جو ایک اچھے اور فاضل مدرس ہیں اور ترجمہ اور تصنیف وتالیف کا ذوق بھی رکھتے ہیں اور اس تاک میں رہتے ہیں کہ کوئی عربی کتاب تصنیف کرے تو اسے اردو اور اردو میں تصنیف کرے تو اسے عربی میں منتقل کردیں، اسی سلسلے کی ایک کڑی امام نوویؒ کی ''كتاب الأذكار المنتخبه من كلام سيد الأبرار صلى الله عليه وسلم'' کا زیر نظر ترجمہ بھی ہے، اتنی بڑی کتاب کا ترجمہ کرنے کے لیے علمی وادبی لیاقت کے ساتھ بڑے صبر وتحمل کی بھی ضرورت ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی محنت کو بارآور کرے اور مترجم کو دنیا میں اجرت اور آخرت میں اس عظیم کام کا اجر عطا فرمائے اور یہ کتاب گھر گھر میں عام ہوکر دلوں کو نور اور نگاہوں کو سرور بخشے۔ آمین۔